© rasailojaraid.com

جناب اختر راہی ایم اے

قسط سوم

برصغیر میں

مشنری سرگرمیاں اور مسلمان علماء

۱۸۰۴ء میں انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور شاہ عالم ثانی سے معاہدہ طے پایا کہ بادشاہ کو سالانہ ایک لاکھ روپیہ بطور خراج دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ قلعہ اور مکانات کی مرمت کے لیے دس ہزار روپے کی رقم دی جائے گی۔ اندرون شہر اور مفتوحہ اراضی بادشاہ کی ملکیت تصور ہوگی۔ تاہم اس کا انتظام ریذیڈنٹ کرے گا اور حساب کتاب سے بادشاہ کو مطلع رکھے گا۔ فوج اور پولیس کے اخراجات کمپنی برداشت کرے گی۔

اس معاہدہ کے بعد "سلطنت شاہ عالم از دہلی تا پالم" زبان زد ہو گیا اور سلطنتِ مغلیہ کا وقار ختم ہو گیا۔ ۱۸۰۶ء میں شاہ عالم ثانی کا جانشین اکبر شاہ ثانی ہوا۔ اکبر شاہ کے دور میں برائے نام اقتدار بھی چھین لیا گیا حتی کہ ۱۸۳۵ء میں دہلی کے بادشاہ کے سکے کے بجائے کمپنی کا سکہ گردش کرنے لگا۔

فتح دہلی کے بعد انگلستان کی پارلیمنٹ میں اکثر برصغیر کا ذکر ہوتا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی تائید و مخالفت میں زور و شور سے بحث ہوتی۔ ۱۸۱۳ء میں کمپنی کو از سر نو چارٹر دیتے ہوئے گہرے غور و فکر کے بعد طے پایا کہ:

"اس ملک (انگلستان) کا فرض ہے کہ وہ مفید علوم و فنون کو رواج دے اور ہندوستان میں مذہبی اور اخلاقی اصلاحات نافذ کرے۔ قانوناً ان لوگوں کو سہولتیں بھی بہم پہنچائے جو ہندوستان جانے اور وہاں رہ کر اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیک فرض کو انجام دینے کے خواہش مند ہوں "۔ ؎

۱۸۱۴ء کے چارٹر میں یہ بھی درج تھا کہ ہندوستان میں ایک بشپ اور تین آرچ ڈیکن کے عہدے تین صوبوں میں قائم کیے جائیں۔ ۱۰ اپریل ۱۹۱۴ء کو یہ فیصلے نافذ ہوئے۔

چونکہ سب سے پہلے بنگال پر کمپنی نے تسلط جمایا تھا اس لیے یہاں ہی "تعلیم" عام کرنے کی کوشش کی گئی۔ انگریز اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ ذہن بدلنے کے لیے تعلیم کی تبدیلی نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ ۱۸۲۳ء میں بنگال کی تعلیم عامہ کی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اینگلو سنسکرت کالج کا قیام اسی کمیٹی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ بنگال میں آہستہ آہستہ جدید نظام تعلیم برگ و بار لاتا رہا اور مسلمانوں کی ثقافت کی آئینہ دار فارسی زبان دم توڑتی گئی۔ ہندو قوم نے انگریزی تعلیم کو اپنانے میں سبقت کی لیکن مسلمان بوجوہ اس تعلیم سے برگشتہ رہے اور آزادی کے حصول کے لیے انقلابی تحریکیں چلاتے رہے۔

انگریزی اقتدار کے ساتھ مسلمان اور ہندو دونوں قوموں میں احیاء و اصلاح کی تحریکوں نے جنم لیا۔ ان میں فرق صرف یہ تھا کہ مسلمان تحریکوں کی روح بدیشی حکمرانوں کے خلاف تھی جبکہ ہندو احیاء و اصلاح کی تحریکیں غیر ملکی حکمرانوں کے زیر سایہ پروان چڑھ رہی تھیں۔

فرائضی تحریک

۱۸۱۸ء کے سال میں جب دہلی میں سید احمد شہید (ش ۱۸۳۱ء) نے تحریک مجاہدین کا آغاز کیا۔ اسی عظیم مقصد کی خاطر حاجی شریعت اللہ نے بنگال میں فرائضی تحریک کی داغ بیل ڈالی۔ ان تحریکوں کے بانی اسلامی اخوت اور مساوات کے جذبات سے سرشار تھے۔ انہوں نے ہر قسم کے ظلم و استبداد اور انسانوں پر انسانی خدائی کی مذمت کی۔ انہوں نے ملکی و غیر ملکی ہر دو قسم کے جابروں کے خلاف پوری قوت سے آواز اٹھائی اور ان کی مسلسل جد و جہد نے برصغیر کے مسلمانوں میں ایک عام بیداری پیدا کر دی اور وہ جہاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آزادی کے لیے سر بکف میدان میں نکل آئے۔

فرائضی تحریک کے بانی حاجی شریعت اللہ ۱۷۸۱ء میں مداری پور سب ڈویژن کے ایک گاؤں شمائیل میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۷۹۹ء میں لبغرض حج حرمین تشریف لے گئے۔ جہاں سے وہ بیس سال بعد واپس وطن تشریف لائے اور ۱۸۱۸ء میں تحریک احیائے و اصلاح کی بنیاد رکھی۔ کچھ عرصہ بعد دوبارہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر کا خاص مقصد یہ تھا کہ اپنی اصلاحات کے بارے میں اپنے اساتذہ اور دوستوں سے مشورہ کر سکیں۔ ۱۸۲۰ء میں ان کی واپسی پر تحریک نے اصل زور پکڑا اور قلیل سی مدت میں جنگل کی آگ کی مانند تحریک مشرقی بنگال میں پھیل گئی۔ ۱۸۴۰ء میں حاجی صاحب کا انتقال ہو گیا۔

حاجی صاحب کے معاصر جیمز ٹیلر (James Tailor) نے لکھا ہے کہ :-

"فرائضی تحریک غیر معمولی تیزی سے پھیلی اور انہوں (حاجی صاحب) نے بہت جلد ڈھاکہ، فرید پور، باقر گنج اور میمن سنگھ کے اضلاع کے باشندوں کی ½ تعداد کو اپنی تحریک میں شامل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔"

فرائضی تحریک نے سب سے زیادہ ان علاقوں میں زور پکڑا جہاں ہندو زمینداروں کا نیا طبقہ اور نیل کے یورپی کاشتکاروں نے ادھم مچا یا ہوا تھا اور مسلمان کسانوں کی آبادی زیادہ تھی۔ لیکن وہ غریب و نادار تھے۔

حاجی شریعت اللہ بنگال میں برطانوی حکومت کو مسلمانوں کی مذہبی زندگی کے لیے نقصان دہ تصور کرتے تھے۔ انہوں نے فقہ حنفی کے قدیم نظریہ کے مطابق یہ فتوے دیا تھا کہ :-

"چونکہ بنگال کے حکمران مسلمان نہیں ہیں۔ اس لیے مسلمان جمعہ اور عیدین کی نماز نہیں ادا کر سکتے۔"

تحریک مجاہدین کا اثر

۱۸۲۱ء سے ۱۸۲۳ء کے عرصے میں سید احمد شہیدؒ کا بنگال میں براہ راست اثر رہا۔ ۱۸۲۷ء میں سید احمد شہیدؒ کے مرید میر نثار علی عرف تیتو میر نے ۲۴ - پرگنہ "اڈرنادیا" میں تحریک مجاہدین کو انقلابی پارٹی میں بدل دیا۔ تیتو میر کی سربراہی میں اس تحریک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے بھی فرائضی تحریک کی طرح بنیا زمینداروں اور یورپی کاشتکاروں کے خلاف معاشی جدو جہد شروع کر دی۔ "بانس باریہ" کے علاقہ میں بانس کے قلعے میں انگریزوں سے ان کی جنگ ہوئی اور لڑتے لڑتے جام شہید نوش کیا۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے پیرو دادو میاں نے ۱۸۴۷ء میں انگریزوں کے ناقابل برداشت مصائب جھیل کر جان، جانِ آفریں کے حوالے کی۔ برطانوی دہشت پسندوں نے آزادی کی چنگاریوں کو دبانے کی کوشش کی تاہم مسلمان اس آگ کو روشن کیے رہے۔

برہمو سماج

جب مسلمان فرائضی تحریک اور مجاہدین کی صورت میں احیاء و اصلاح کے لیے کوشاں تھے اور غیر اسلامی نظام کے خاتمے کے متمنی تھے۔ ہندوؤں نے نئے نظام کو اپنایا۔ راجہ رام موہن رائے (۱۷۷۲ء - ۱۸۳۳ء) نے ۱۸۲۸ء میں برہمو سماج کی بنیاد رکھی۔ راجہ صاحب ۱۸۰۶ء میں شاہ عالم ثانی (م - ۱۸۰۶ء) کی طرف سے انگلستان گئے تھے۔ راجہ صاحب کے ایسٹ انڈیا کمپنی سے اچھے مراسم تھے۔ اس کا اندازہ اس دعوت کے اہتمام سے ہو سکتا ہے جو کمپنی کے اربابِ لبست وکشاد نے ان کے اعزاز میں دی تھی۔ راجہ صاحب نے ۱۸۳۳ء میں برسٹل میں انتقال کیا۔ راجہ صاحب ہندوستان میں انگریزی تعلیم کی ترویج میں نہایت سرگرم تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہندوستان میں عیسائیت پھیل جائے گی۔ لہذا فراخ دلی سے جدید نظام کو اپنا لینا چاہیے۔

۱۸۳۴ء میں لارڈ میکالے لاء ممبر ہو کر کلکتہ آیا۔ اس نے بحیثیتِ صدر کمیٹی تعلیمات اس امر پر خاص زور دیا کہ السنہ شرقیہ اور دیگر مشرقی علوم کے بجائے انگریزی تعلیم کو نافذ کیا جائے۔ اس نے اپنی مشہور یادداشت (۱۸۳۵ء) میں انگریزی نظامِ تعلیم کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا۔

"ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہیے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے۔ جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں ...... ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو مگر مذاق، طرز فکر، اور فہم و فراست کے لحاظ سے انگریز"۔ لہ

لارڈ میکالے کی اس یادداشت سے کمپنی کے بعض ڈائریکٹروں نے اختلاف کیا لیکن

"ولیم بینٹنک نے کورٹ آف ڈائریکٹرز کے فیصلے کے خلاف ہندوستان میں مغربی تعلیم کے رائج کرنے کا حکم دے دیا اور یہ سب راجہ رام موہن رائے کی سرگرم اور ایماندارانہ کوششوں کا نتیجہ تھا"۔ لہ

راجہ موہن رائے کے پیش کردہ "برہمو سماج" کے بارے میں گارسن دتاسی لکھتا ہے :-

"ہمیں برہمو سماج سے جسے مشہور رام موہن رائے نے ۱۸۳۰ء میں قائم کیا تھا اس واسطے اور بھی دلچسپی ہے کہ اس کی ترقی دراصل ہندوستان میں مسیحی مذہب کا راستہ ہموار کرتی ہے"۔ سہ

۱۸۴۱ء میں برہمو سماج میں رابندرناتھ ٹیگور کے والد ڈی۔ این ٹیگور شامل ہوئے۔ جن کا رجحان ویدوں کی طرف تھا۔ ٹیگور نے پورے ملک میں برہمو سماج کے مبلغ بھیجے اور یوں ہندوؤں میں احیائے مذہب کی تحریک چلی۔

۱۸۵۷ء میں کشیب چندر سین سماج میں شامل ہوا اور ساری زندگی اس کے لیے وقف کر دی۔ کشیب چندر سین بچپن میں تیلیم ہو گیا تھا اور کلکتہ کے ایک کالج میں اس نے انگریزی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ بھی انگلستان گیا اور ۱۸۷۰ء میں واپس آیا۔ ایک رائے یہ ہے کہ آخر میں اس نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ ان ایام میں سماج کا پروپیگنڈہ زوروں پر تھا۔ کئی اخبارات اور رسائل جاری تھے اور مختلف مقامات پر حلقے قائم ہو گئے تھے۔ تاہم یہ نیا مذہب جو اسلام، عیسائیت اور ہندومت کے عقائد کا معجون مرکب تھا۔ کامیاب نہ ہو سکا اور آخر یادگار ماضی بن گیا۔

لہ انگریزی نظام تعلیم کا اساسی تخیل۔ (ترجمہ عبدالحمید صدیقی)

لہ History of Congress. P.16

سہ مقالات گارسن دتاسی ص۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دھلی کالج

لارڈ میکالے کی یادداشت سے بیشتر ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جو مدارس کھل رہے تھے۔ ان میں بظاہر مشرقی علوم کی تعلیم جاری تھی، لیکن درپردہ مشنری مقاصد کارفرما تھے۔ فورٹ ولیم کالج کا تفصیلی جائزہ پہلے لے چکا ہوں۔ بطور نمونہ دہلی کالج کے بارے میں چند حقائق پیش کرتا ہوں جو مشنری مقاصد کو عیاں کرتے ہیں۔

۱۷۹۲ء میں نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نے مشرقی علوم کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ جو بعد ازاں ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج میں بدل دیا گیا۔[۱] اس کالج کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ذریعہ تعلیم اردو تھا۔ عربی، فارسی، سنسکرت کی تعلیم تو اردو میں ہوتی ہی تھی۔ دوسرے علوم بھی اردو ہی میں پڑھائے جاتے تھے۔

۱۸۲۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کی سفارش سے پارلیمنٹ نے ہندوستان کی تعلیم کے لیے ایک لاکھ روپے کی رقم منظور کی تھی۔ اس میں سے پانچ سو روپے دہلی کالج کے لیے منظور کئے گئے۔[۲]

دہلی کالج کے پہلے پرنسپل جے۔ ایچ۔ ٹیلر (J. H. Taylor) تھے۔ ۱۸۴۵ء میں اشپرنگر کو کالج کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ یہ وہی صاحب تھے جنہوں نے ۱۸۵۱ء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح لکھی۔ اگرچہ اشپرنگر ۱۸۴۷ء میں کالج سے علیحدہ ہو گیا تھا تاہم اس کے خیالات کا اندازہ سرسید احمد خاں (م ۱۸۹۸ء) کے اس اقتباس سے ہو سکتا ہے:

"ان کی طبیعت پہلے ہی سے ایسے تعصبات اور ایک طرفہ رائے سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے جو کسی مصنف کو اور بالتخصیص کسی مورخ کو کسی طرح زیبا نہیں ہے۔ اپنے اس کلام کی تصدیق کے لیے ان کی کتاب میں سے ایک فقرہ نقل کرتا ہوں۔ جس سے ان کے تعصب کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جس فن میں انہوں نے کتاب لکھی ہے۔ اس سے بھی ماشاء اللہ بہت ہی واقف ہیں

---

[۱] [۲] مرحوم دہلی کالج ص ۳، ۱۴

© rasailojaraid.com

وہ لکھتے ہیں کہ:-

"اسلام محمد کا ایجاد نہیں ہے وہ ایسے مکار کا نکالا ہوا مذہب نہیں ہوسکتا مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اس مکار نے اپنی بداخلاقی اور طبیعت کی برائی سے اس کو بگاڑا اور جو بہت سے مسائل اس میں قابل اعتراض ہیں وہ اسی کی ایجاد ہیں" ؎۱

ظاہر ہے کہ مسلمانوں اور ان کے ہادی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کے بارے میں یہ خیالات رکھنے والا آدمی کیسے مسلمانوں کو ترقی کرتے ہوئے دیکھ سکتا ہے اور اس کے دل میں مسلمانوں کے لیے کیسے کوئی نرم گوشہ ہوسکتا ہے؟ ان لوگوں نے عیسائیت کی تبلیغ ہر انداز میں جاری رکھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ۱۸۵۰ء کو کالج کے سائنس ٹیچر، ماسٹر رام چندر نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس کے ساتھ ہی فرنٹ سب اسسٹنٹ سرجن دہلی چمن لال نے بھی بپتسمہ لے لیا۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:-

"اس سے دہلی کی مخلوق بہت بگڑی اور شہر میں بڑا غلغلہ پیدا ہوا۔ ایسا سننے میں آیا ہے کہ بعض اور طالب علم عیسائی ہونے پر تلے ہوئے ہیں لیکن دلی والوں کے ڈر سے رہ گئے .... کالج میں طلبہ کی تعداد ۳۴۲ تھی لیکن اس خبر کے اڑتے ہی دفعتاً داخلہ بند ہوگیا اور چوبیس پچیس لڑکوں نے فوراً اپنے نام کٹوا لیے" ؎۲

مولوی عبدالرزاق کانپوری نے رام چندر کے ذکر میں لکھا ہے:-

"ماسٹر صاحب کے عیسائی ہوجانے سے کالج کو بہت نقصان پہنچا۔ قدیم خیال کے ہندو اور مسلمانوں کا یہ مقولہ تھا کہ انگریزوں نے کرسٹان (یہ اس زمانے کی خاص اصطلاح ہے) کرنے کے لیے کالج قائم کیا ہے" ؎۳

؎۱ الخطبات الاحمدیہ ص۲ - سر سید احمد خاں

؎۲ مرحوم دہلی کالج ص۵۶

؎۳ یاد ایام ص۲۹

© rasailojaraid.com

ماسٹر رام چندر "ماسٹر" سے "ریورنڈ" بن گیا اور اسلام کی مخالفت میں اسی انداز سے پروپیگنڈہ کرنے لگا جو عیسائی مشنریوں کے لیے مخصوص تھا۔ اس نے "اعجاز قرآن" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی تھی جس میں اسلامی عقائد پر تنقید کی تھی [1]

ماسٹر رام چندر اور مسلمان علماء

اس دور میں دہلی سے کئی ایک مسلمان علماء پادریوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ جن میں مولانا سید ناصر الدین ابو المنصور دہلوی کا نام نمایاں ہے۔ انھوں نے پادریوں سے بارہا مناظرے کیے اور نصاریٰ کی تردید میں قلمی جہاد کیا۔

مولانا ابو المنصور دہلوی کے والد ماجد محمد علی ناگپور ریذیڈنسی میں میر منشی تھے۔ ناگپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد اور دادا جان سے حاصل کی۔ تورات و انجیل کی عربی اور یونانی تفاسیر خود اہل کتاب علماء سے پڑھی تھیں۔ کچھ عرصہ جہانگیر محمد خاں رئیس بھوپال کی مصاحبت میں بھی رہے آخر ۱۹۰۲ء/ ۱۳۲۰ھ میں دارِ فانی سے رخصت ہوئے [2]

مولانا ابو المنصور نے پادری رام چندر کی دو کتابوں "رسالہ مسیح الدجال" اور اعجاز قرآن کے جواب میں ترتیب وار "استیصال" اور اعزازِ قرآن کے نام سے لکھیں اور پادری صاحب کو لاجواب کیا

---

[1] مقالات گارسن دتاسی ص ۸۴

[2] تذکرۂ علماء ہند۔ (اردو ترجمہ) ص ۵

© rasailojaraid.com